# JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 41, Issue No.01

## TITLE OF THE PAPER

کشور ناہید کی نثر کا نفسیاتی مطالعہ

## AUTHOR(S)

* **Dr. Kashif-ur-Rehman,** Lecturer,
Department of Urdu Language & Literature, University of Sargodha
** Dr. Shafqat Zahoor, Lecturer,
Department of Urdu Language & Literature, University of Sargodha
*** Prof. Dr. Suhail Abbas,
Department of Urdu Language & Literature, University of Sargodha

**CONTACT**
* kashif.urrehman@uos.edu.pk
** shafqat.zahoor@uos.edu.pk
*** suhail.abbas@uos.edu.pk

HISTORY OF THE PAPER

Received on: June 20, 2025
Accepted on: June 28, 2025
Published on: June 30, 2025

DETAIL(S)

Volume No. 41, Issue No. 01, Page No: 01-20
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

**LICENSE**
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License
**COPYRIGHT**
©The author(s) 2025. ©Journal of Research (Urdu) 2025.
This publication is an open access article.

**JOURNAL'S PROFILE**

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

**CONTACT**

Dr. Muhammad Asif
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 333 6062921

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
muhammadasif12@bzu.edu.pk

**ADDRESS**

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

**Journal of Research (Urdu)**
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

* ڈاکٹر کاشف الرحمن شاہ ** ڈاکٹر شفقت ظہور *** ڈاکٹر سہیل عباس

# کشور ناہید کی نثر کا نفسیاتی مطالعہ

## A psychological study of Kishwar Naheed's prose

**ABSTRACT**

Kishwar Naheed is primarily known as a poet, but she is also a prose writer who seems to raise the flag of rebellion. Her autobiography "Buri Aurat Ki Katha" is a philosophical autobiography that reveals the psychological complexities of the situations, events and difficulties that occur between a girl and a woman. Buri Aurat Ki Katha is not the story of any bad woman, but it is the story of every woman who is given the title of bad woman for demanding women's rights. Kishwar Naheed's bold style is an expression of the fact that until social and moral standards are set in society, mistreatment of women will continue. The expression of gender in Kishwar Naheed's prose reflects the sexual oppression in society as well as the theories of important psychologists Adler, Freud and Young. In this regard, in the light of his writings "Buri Aurat Ki Katha", "Shenasaiyan Ruswaiyan", "Buri Aurat Ke Khatoot", "Kishwar Naheed Ki Notebook", "Muthi Bhar Yaadeen" and "Buri Aurat Ki Dusri Katha". This article has done a psychological analysis of his prose writing. Since there is a lack of sex education in the Indian subcontinent, it is believed that such awareness will increase sexual misconduct. In this regard too, Kishwar Naheed's writings enlighten us with its psychological factors. Also, Kishwar Naheed's raw analysis in the style of psychological analysis on topics like girls' choice of marriage, society's inappropriate attitude towards women in other issues of marital life is an important part of this article.

**KEYWORDS**

Kishwar Naheed, psychological complexities, Famine voice, Women's Plight, Gender Equality, Radical Feminist, Male-dominant society, sexual misconduct, Adler, Freud, Young, marital life.

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

بیسویں صدی پر، بحیثیتِ مجموعی کارل مارکس، سگمنڈ فرائڈ اور البرٹ آئن سٹائن کے افکار چھائے ہوئے ہیں۔مذکورہ مفکرین نے قریباً جملہ شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا ہے۔جس طرح انیسویں صدی کے فکری محور پر ڈارون چھایا ہوا ہے، بالکل اسی طرح گذشتہ صدی کے فکری دبستانوں نے مارکس، فرائڈ اور آئن سٹائن کے نظریات سے جِلا پائی ہے۔مارکس نے سیاسیات، فرائڈ نے نفسیات کے طفیل سماجی علوم اور آئن سٹائن نے سائنس کے میدانوں میں عہد آفریں انقلابات کی راہیں سجھائی ہیں۔اگر بیسویں صدی کے ادبِ اردو پر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو مارکسی فکر خارجی سطح پر روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آئے گی اور فرائڈ کے نظریاتِ تحلیلِ نفسی داخلی سطح پر موجزن ملیں گے۔مارکسی فکر، چوں کہ، سیاسیات سے مشروط ہونے کے باعث، بین الاقوامی سطح پر اپنے دبدبہ قریباً کھو چکی ہے۔تاہم، فرائڈ کے افکار آج بھی ویسے ہی دلچسپ ہیں، جیسے گذشتہ صدی کے آغاز پر تھے، جب فرائڈ نے تحلیلِ نفسی کا نظریہ پیش کر کے، علمِ نفسیات کو ایک بالکل الگ نوعیت اور جہت عطا کی تھی۔فرائڈ کے نظریات میں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ترامیم و اضافوں کا سلسلہ جاری رہا۔آج نفسیات کے میدان میں فرائڈ کے علاوہ الفرڈ ایڈلر، کارل ژونگ اور ژاک لاکاں کا حوالہ بھی لازم و ملزوم ہو چکا ہے۔نفسیات نے دیگر شعبوں سے سوا، سب سے زیادہ ادب کو متاثر کیا ہے۔لہٰذا، ہم دیکھتے ہیں کہ گذشتہ آٹھ دہائیوں سے اردو ادب میں بھی نفسیاتی مباحث و مطالعات کا سلسلہ ایک دبستان کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

علمِ نفسیات حیرت آگیں ترقّیات کے باوجود، آج بھی فرائڈ کے اثرات کے زیرِ سایہ ہے۔فرائڈ نے ذہنِ انسانی کی ساخت اور انسانی جبلّت کی جس طرح توضیحات و تعبیرات کی ہیں، وہ اپنی جگہ حیرت کا مرقّع ہیں۔تاہم، فرائڈ کا حقیقی کمال یہ ہے کہ اُس کے نظریات کے ادبی مضمرات بہت دوررس اور مفید مطلب ثابت ہوئے ہیں۔فرائڈ نے تحلیلِ نفسی کی دو اشکال ہمارے سامنے پیش کیں۔پہلی شکل اُس کے ابتدائی دور سے متعلّق ہے، جس میں اُس نے ذہنِ انسانی کو تین حصّوں میں منقسم کیا تھا؛ 1۔شعور، 2۔تحت الشعور، اور 3۔لاشعور۔اِس پیش کردہ نظریے میں شعور اور تحت الشعور قدرے سادہ تصوّرات تھے، تاہم، لاشعور کا تصوّر خاصا پیچیدہ تھا جس کا سارے کا سارا دار و مدار رجعت سے منسوب تھا۔گویا، ماضی کی جانب یہ مراجعت انسانی مزاج کے تعیّن کا محرک تھی، فرائڈ اِس کی وضاحت میں لکھتا ہے:

> "We obtain our concept of the unconscious from the theory of repression. The repressed is the prototype of the

> unconscious for us. We see, however, that we have two kinds of unconscious-the one which is latent but capable of becoming conscious, and the one which is repressed and which is not, in itself and without more ado, capable of becoming conscious. This piece of insight into psychical dynamics cannot fail to affect terminology and description. The latent, which is unconscious only descriptively, not in the dynamic sense, we call *preconscious*; we restrict the term *unconscious* to the dynamically unconscious repressed; so that now we have three terms, conscious (Cs.), preconscious (Pcs.), and unconscious (Ucs.), whose sense is no longer purely descriptive."(1)

مندرجہ بالا نظریہ فرویڈ نے اپنی عمر کے نصف اوّل میں پیش کیا تھا۔ آخرِ عمر تک فرویڈ نے اِس نظریے میں ترمیم کر لی، نسبتاً غیر معروف اور پیچیدہ نظریہ متعارف کرایا تھا۔ یہاں بھی ذہنِ انسانی کی ساخت ہی کو زیرِ بحث لایا ہے۔ فرویڈ کے اِس ترمیم شدہ نظریے کے مطابق ذہنِ انسانی کے حصّے تو تین ہی ہیں؛ 1۔انا، 2۔ فوق انا، اور 3۔اِڈ (Id)؛ تاہم، اِن تصوّرات کا تفاعل اور مضمرات قدرے وسیع پیمانے پر زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔ فرویڈ نے انا کو شخصیت کیا انتظامی ایجنسی (2) قرار دِیا ہے، فوق انا کو انسان کے اندر اخلاقی جزو (3) کا نام دِیا ہے، جب کہ اِڈ (Id) ایک ایسا اجتماعی نام ہے، جسے فرویڈ نے جبلّی حیاتیاتی انگیختوں (4) کے لیے استعمال کیا ہے۔ اِڈ کے ذیل میں فرویڈ لبیڈو (Libido) کی اصطلاح (5) استعمال کرتا ہے۔ لبیڈو، بنیادی طور پر، جنسی، معاشرتی، ثقافتی اور تخلیقی، غرضے کہ سبھی اعمال کو عمومی حیاتی توانائی فراہم کرتی ہے، فرویڈ اِسے لذّت کی جستجو کرنے والے تمام اعمال (6) سے منسلک کرتا ہے، فرویڈ لکھتا ہے:

> "Making a swift generalization, we might conjecture that the essence of a regression of libido (e.g., from the genital to the sadistic-anal phase) lies in a defusion of instincts, just as, conversely, the advance from the earlier phase to the definitive genital one would be conditioned by an accession of erotic components."(7)

یہ ''خواب آور دور'' تجزیۂ نفس کے ضمن میں سنِ بلوغ تک ہی رہتا ہے، بعد ازاں ''خوابیدہ دور'' (Latency Period) کے دوران میں جنسی نشوونما بند ہو جاتی ہے یا اِس میں تنزلی آنا شروع ہو جاتی

ہے۔(8)اوّل الذّکر دور کو تلازمِ افکار کی مدد سے یاد کیا جاتا ہے۔کشور ناہید کی تخلیقات کا مطالعہ کریں، تواُن کے یہاں اِس ''خواب آور دور'' کا ذکر کئی بار ملتا ہے۔یہ عہد اُن کی جنسی سمت بندی (Sexual Orientation) کا زمانہ ہے، اِس ضمن میں دو اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

> ''ایک شام محلے کی لڑکیاں اکٹھی سیپارہ پڑھ کر آئیں۔ ہماری گلی آگے سے بند تھی، ہم سب مل کر آنکھ مچولی کھیلتے تھے۔ گھر والے مطمئن تھے کہ یہاں باہر سے کوئی آ نہیں سکتا، چلو ذرا گھڑی بچیاں سب ساتھ کھیل رہی ہیں کہ ایک دم چور لڑکی نے چیخ ماری ''اوئی یہ کیا ہے'' ساری لڑکیوں نے پلٹ کر دیکھا۔ دائیں کے کونے والے گھر کے بزرگ جلدی جلدی کمر بند باندھتے ہوئے، واپس پلٹ رہے تھے۔ سب لڑکیاں چور لڑکی کے پیچھے پڑی تھیں ''بولو نا کیا ہوا۔ کیا کیا تھا۔ باباجی نے کچھ کہا'' اور وہ لڑکی وہ چور لڑکی جو میں تھی۔ بس انگلی اٹھائے، گھگیائے لرزتے ہونٹوں اور شرابور بدن کے ساتھ، سامنے دیکھے جا رہی تھی۔ دو چار گھروں کی بڑی بوڑھی عورتوں نے موقع کی نزاکت اور بات کو ادھ پچھتا سمجھ کر، سب لڑکیوں کو اپنے اپنے گھر میں دھکیل دیا۔اس کے بعد میرا بی بی کے گھر جانا بند ہو گیا۔''(9)

مذکورہ بالا واقعات چوں کہ بچپن کے زمانے میں رونما ہوئے، لہٰذا اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں، گو کہ اِن واقعات میں جنسی عمل تکمیل یافتہ نہیں ہے، مگر تکمیل پذیر ضرور ہے۔یہ زمانہ، چوں کہ کشور ناہید کے سنِ بلوغت سے ما قبل کا دور ہے، اِس لیے اِس عمر کے واقعات ذہن سازی کے باب میں جو اثرات مرتسم کرتے ہیں، بظاہر بھول جانے کے باوجود بھی، اِن اثرات کو تمام عمر زائل نہیں کیا جا سکتا۔

شعور کی آنکھ عموماً بلوغت کے زمانے میں ہی نیم باز سے وا ہونے لگ جاتی ہے۔یہ وہ عہد ہوتا ہے جب انسان اپنی ظاہری قد و قامت، سماجی مقام و مرتبے اور پسند و ناپسند کے معیارات کا تعیّن کر رہا ہوتا ہے۔اِس عہد کو سمجھنے کے لیے فرائڈ ہی کے ایک شاگرد، الفرڈ ایڈلر کی نگارشات معاون ثابت ہوں گی، چوں کہ فرائڈ ذہنی ساخت کو زیرِ بحث لاتا رہا ہے، جو کہ تعمیم کے زمرے میں آتا ہے، اِس کے برعکس ایڈلر تخصیص کے اصول پر کاربند ہے اور انفرادی نفسیات سے بحث کرتا ہے۔ایڈلر لکھتا ہے:

> The science of Individual Psychology developed out of the effort to understand that mysterious creative power of life that power which expresses itself in the desire to

develop, to strive and to achieve and even to compensate for defeats in one direction by striving for success in another. This power is ideological it expresses itself in the striving after a goal, and in this striving every bodily and psychic movement is made to co-operate. It is thus absurd to study bodily movements and mental conditions abstractly without relation to an individual whole.(11)

ایڈلر کو علمی (Academic) نفسیات دان کے بجائے عملی (Practical) نفسیات دان کہا جاتا ہے، اُس نے خود بھی اپنی نفسیات کو تحلیلی (Analytical) نہیں کہا، بلکہ انفرادی (Individual) کہا ہے، وہ فرد کے مطالعے میں اُس کے خاص ماحول کو مدِ نظر رکھنے کا خواہاں ہے، جس سے فرد کو یہ حق فراہم ہو جاتا ہے کہ وہ واقعتاً ایک فرد ہے۔(12) ایڈلر نے انسانی زندگی کی پیچیدگیوں (Complexes) کو بطورِ خاص موضوع بنایا ہے۔اِن پیچیدگیوں کے ضمن میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ اِن میں عمر کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ احساسِ برتری یا احساسِ کمتری جیسی پیچیدگیاں بچّے، جوان، ادھیڑ عمر کے مرد یا بزرگ، سبھی میں موجود ہو سکتی ہیں، وہ لکھتا ہے:

What applies to the child applies also, to a certain extent, to men as a whole. The weakness which is responsible for the child's living in a family group is paralleled by the weakness which drives men to live in society. All persons feel inadequate in certain situations. They feel overwhelmed by the difficulties of life and are incapable of meeting them single-handed.(13)

ایڈلر نے شخصیت کی تشکیل میں وراثت اور ماحول کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ یہ وہ امور ہیں جو بچے کی تولید سے قبل ہی طے ہو چکے ہوتے ہیں۔تاہم، بعض امور ایسے ہوتے ہیں، جن کی بدولت شخصیت کی انفرادیت سامنے آتی ہے۔ مثال کے طور پر، بے جا لاڈ پیار کے باعث بچے کی فطری صلاحیتوں میں کمی ہونے کی وجہ سے بالآخر اُس کا ذہن نیوراتی حالت میں آ جاتا ہے۔(14) ایڈلر کے نزدیک سماجی بگاڑ اِن پیچیدگیوں کے باعث ہی جنم لیتا ہے، دوسری صورت میں اِن پیچیدگیوں کے نتیجے میں سامنے آنا والا ردِ عمل انفرادیت کا حامل ہونے کے باعث گونا گوں امکانات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے، ایڈلر اِس مرحلے کی صراحت میں لکھتا ہے:

While the feeling of inferiority and the striving for superiority are universal, it would be a mistake to regard this fact as indicating that all men are equal. Inferiority

> and superiority are the general conditions which govern the behavior of men, but besides these conditions there are differences in bodily strength, in health, and in environment. For that reason, different mistakes are made by individuals in the same given conditions. If we examine children, we shall see that there is no one absolutely fixed and right manner for them to respond. They respond in their own individual ways. They strive towards a better style of life, but they all strive in their own way, making their own mistakes and their own type of approximations to success.(15)

ایڈلر نے جنس کے بطور عامل ہونے کے تصوّر کی اہمیت سے کماحقُّہٗ انکار تو نہیں کیا، تاہم، اِس کے متضاد نظریہ پیش کرنے کی سعی کی ہے، اِس ضمن میں اُس نے معروف ادیبوں اور شاعروں کے جسمانی کوائف اور عضوی نقائص کی مثالیں نقل کرتے ہوئے، یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ عظمتِ انسانی (Reverence) احساسِ کمتری پر منحصر ہے اور یہی پیچیدگی تخلیقی محرکات کا سرچشمہ ہے۔(16) کشور ناہید نے اپنی نگارشات میں بدہا اپنے خدوخال کو لے کر کے، ایسے خدشات (Insecurities) کا اظہار کیا ہے، ایسے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

> اِس ساری شکل و شباہت کو گل و گلزار ٹائیفائیڈ نے بہت کیا۔ ٹائیفائیڈ اور میرا ساتھ بہت عرصہ رہا۔ 5 سے 7 سال کی عمر میں 4 دفعہ ٹائیفائیڈ ہوا۔ پھر 12 سے 14 سال کی عمر میں تین دفعہ ہوا۔ میرا جسم پیلاہٹ لیے ہوئے سفید ہو جاتا تھا۔ ساگودانہ کھا کھا کے مجھے لگتا تھا کہ میرا تالو ربڑ کا ہو گیا ہے۔ ماتھا تو پہلے ہی چھوٹا تھا، رنگ اور بھی گہرا سانولا بلکہ مٹیالا سلیٹی ہو گیا تھا۔ نقش پہلے ہی کھرنڈ کی طرح اکھڑے اکھڑے اور انمل بے جوڑ تھے۔ حد درجہ پتلی، کالی، لمبی چٹیا والی، تصویر میری اترتی تو اتنی ہولناک ہوتی جتنی میں خود تھی۔(17)

> ... میں خاندان کی سب سے بد شکل لڑکی تھی۔ میری نند نے کہا تھا: ''بہو کیا دیکھنی ہے، الٹا توا دیکھ لو''۔(18)

> جب میرے شوہر کے ساتھ کوئی نئی لڑکی دیکھتے تھے تو پھر اس میں خوبیاں اور مجھ میں خامیاں گن گن کر تفصیلاً اور اجمالاً بیان کی جاتی تھیں۔ وہ میرے دوست تھے، وہ میرے شوہر کے بھی دوست تھے۔ وہ میرے دوست گفتگو کی حد تک تھے۔(19)

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

احساسِ کمتری کے یہ عوامل، جن کا ذکر اوپر نقل کیے گئے اقتباسات میں ہوا ہے، یقیناً کشور ناہید کے لاشعور میں تخلیقی محرکات کے طور پر فعال رہے ہوں گے۔اِن کی نوعیت پر بحث کی جاسکتی ہے، کہ اِن عوامل نے اُن کی انفرادیت کی تشکیل میں کتنا کردار ادا کیا ہے، اور یہ شدّت غیر مرئی ہونے کے باعث چوں کہ کسی پیمانے پر ریکارڈ نہیں کی جاسکتی، اِس لیے بظاہر غیر محسوس ہی رہتی ہے۔تاہم، تخلیقی عمل میں اِس کی فعالیت شکوک وشبہات سے ماورا ضرور ہے۔

احساسِ کمتری سماجی قبولیت (Social Acceptance) کی شدید ترین خواہش کا ایک پرتو ہے۔ یہاں فرویڈ ہی کا ایک اور شاگرد کارل گستاو ژونگ ہماری رہنمائی کرتا ہے، جس نے اجتماعی لاشعور کا نظریہ پیش کیا تھا۔ ژونگ کے نزدیک سماجی ضابطہ بندی کسی ایک فرد کے مرہونِ منّت نہیں ہوتی، بلکہ نسلِ انسانی کی مشترکہ میراث کے طور پر، اِسے ایک ثقافتی مظہر قرار دینا درست ہو گا۔سماجی قبولیت کی خاطر، فرد کو اجتماعی لاشعور کا تتبع کرنا پڑتا ہے، علاوہ ازیں سماج اُسے شرفِ قبولیت نہیں بخشتا، نتیجتاً، زندگی تحدّیوں کا شکار ہوتے ہوتے نیوراتی حالت تک پہنچ جاتی ہے۔بہر صورت، سماج میں چلنے پھرنے کے لیے فرد کو قبول شدہ طریقِ کار اپنانے کے لیے اپنے ناتواں شانوں پر گراں بار معاشرتی دباؤ اُٹھانا پڑتا ہے، جس کے آگے بلآخر اُسے استسلام کرنا پڑتا ہے۔اِس عمل میں اُس کی شخصیت کے کئی گوشے ابطان (Repression) میں ڈال دیے جاتے ہیں۔فرد سماج سے مطابقت پیدا کرنے کی خاطر مختلف ماسک (Mask) یا نقاب بناتے ہیں اور اپنے شخصیت کے صرف وہی پہلو پیش کرنا چاہتے ہیں، جو اُنھیں سماجی قبولیت کے ضمن میں معاون ثابت ہوتے ہوئے نظر آئیں۔ژونگ اِس نقاب کو پرسونا (Persona) کا نام دیتے ہوئے، اِسے ایک اجتماعی مظہر قرار دیتا ہے۔(20) ژونگ کہتا ہے کہ انسانی نفسیات کے اِس پہلو کو ملحوظِ خاطر رکھنا ناگزیر ہیں، اُس کے الفاظ یہ ہیں:

> The structure and physiology of the brain furnish no explanation of the psychic process. The psyche has a peculiar nature which cannot be reduced to anything else. Like physiology, it represents a relatively self-contained field of experience to which we must attribute a quite special importance because it holds within itself one of the two indispensable conditions for existence as such, namely, the phenomenon of consciousness. Without consciousness there would, practically speaking, be no

world, for the world exists as such only in so far as it is consciously reflected and consciously expressed by a psyche. Consciousness is a precondition of being.(21)

ژونگ لاشعور کو شعور کی کوکھ قرار دیتا ہے، مگر اُس کے نزدیک اجتماعی لاشعور انفرادی تجربات سے ماورا ہے اور صدیوں کو محیط انسانی افعال و اعمال کا نچوڑ ہونے کے ناتے، حد درجہ گہرا ہوتا ہے، یہاں تک کہ انفرادی شعور اور انسانی انا بھی اجتماعی لاشعور کو کماحقُّہ گرفت میں لانے سے قاصر ہوتے ہیں اور بیک وقت اِس کے تابع بھی ہوتے ہیں۔(22) کشور ناہید کی بعض نگارشات میں اِس حوالے سے کئی حیرت انگیز اقتباسات اور نظموں میں موجود شعری پیرے (Verse Paragraphs) مل جاتے ہیں، جن میں وہ اجتماعی لاشعور کو زیرِ بحث لانے کی ایک ادھوری سعی کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اِس ضمن میں کی جانے والی کوئی بھی خواہش خام ہی رہے گی، کیوں کہ اجتماعی لاشعور، بنیادی طور پر، انفرادی لاشعور کے حدود سے بلاتر تصوّر ہے، کشور ناہید کی نثر و نظم سے اِس حوالے سے چند اقتباسات یہاں نقال کیے جارہے ہیں:

''میرا بارہواں سال لگا اور ادھر جسم پر بور آنے لگا۔ دوپٹہ ڈھنگ سے اوڑھنے کی ہدایت دی گئی۔ سوئیوں کی طرح چبھتے نورستہ غنچے، قمیص میں سے نظر آئیں ۔تو برے لگتے ہیں۔ موٹی قمیض لازمی شرط ٹھہری کہ ایک دن بیٹھے بٹھائے شلوار پر گل و گلزار ہویدا تھے۔ بہشتی زیور پڑھنے کے باوجود کچھ معلوم نہ تھا۔ بڑی بہن کو فوراً پکڑا اور روتے روتے احوال بیان کیا اور خدشے کا اظہار کیا کہ شاید اندر کوئی پھوڑا تھا۔ جو پھٹ گیا ہے۔ بہن نے احوال سن کر بڑے اطمینان کے ساتھ کہا ''کوئی بات نہیں سب کے ساتھ ہوتا ہے'' میں نے تڑ سے سوال کیا ''آپ کے ساتھ بھی''، ''ہاں ہاں'' اُنھوں نے ٹرنک سے کچھ پھٹا پرانا کپڑا نکالتے ہوئے کہا۔ مجھے ان باتوں سے اطمینان نہیں ہو رہا تھا میں نے پھر پوچھا ''تو آپ مجھے دکھائیں'' جھلا کر بولیں ''سب کو ایک وقت میں نہیں ہوتا''، ''ارے کیا نہیں ہوتا۔ یہ تو دوسری تیسری مرتبہ ہوا ہے۔ دو دفعہ ہوا میں نے شلوار دھوئی جب داغ نہیں گیا تو کاٹ ڈالی پھر سی لی۔ مگر شلوار چھوٹی ہو گئی میں دو شلواریں کاٹ چکی ہوں۔ کتنی شلواریں خراب ہوں گی ہائے میری سفید سفید شلواریں''۔ اس سے پہلے کہ میں باقاعدہ رونے کی کلاس شروع کرتی۔ انھوں نے ہاتھ میں مرض کی ریسیپی تھمادی اور یوں درد میں تڑپنے کی باقاعدہ ایک منزل کا آغاز ہوا۔(23)

تم کتنی بھی پڑھی لکھی ہوتیں، بھائیوں کا کمرہ تو تمھیں ہی صاف کرنا ہوتا۔ ان کے کپڑے دھونے کے لیے نکالنے ہوتے اور اگر ان کی جیبوں کی تلاش میں کوئی جنسی احتیاط کے عوامل مل جاتے تو تم تو کبھی شور نہ مچاسکتیں۔ خاموش رہتیں، شاید مجھے بھی نہ بتاتیں، البتہ اپنی زندگی میں احتیاطوں کے تعویذ ضرور بنالیتیں۔(24)

تم پیدا ہوتیں تو کہتیں کہ کس طرح مذہب کی آڑ لے کر کہا گیا کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی۔ کس طرح کہا گیا نفسیات کا غلط مطلب نکال کر کہ عورت کا دماغ مرد سے چھوٹا ہوتا ہے۔ کیسے بدلا گیا قرآنی احکامات کو اور انسانیت میں مساوات کو سمجھنے سے گریز کیا گیا۔ سنگسار کرنے جیسے قوانین تو یہودیوں نے بنائے تھے۔ ہم نے اس کو مسلمان کر لیا۔ تم پیدا ہوتیں تو کہتیں دنیا نے اب تک عورتوں کو صرف جسم کی حیثیت سے دیکھا ہے، جسم کے مالک ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ عورت کے جسم میں ڈاکٹروں کو صرف بچہ دانی نظر آتی ہے۔(25)

اختصاص کے ساتھ دیکھا جائے تو نفسیاتی مطالعے کے ضمن میں اُن کی چھ تحریریں (بُری عورت کی کتھا، شناسائیاں رسوائیاں، بُری عورت کے خطوط، کشور ناہید کی نوٹ بک، مٹھی بھریادیں اور بُری عورت کی دوسری کتھا) قابلِ ذکر ہیں۔ دیگر کتب اور دیباچوں میں بھی نفسیاتی اعتبار سے جا بجا حوالے مل جاتے ہیں، مگر مذکورہ بالا کتب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اور موضوع کی نسبت سے بنیادی متون کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں اُن کے تراجم کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کشور ناہید نے فرانسیسی ماہرِ تانیثیت سیمون ڈی بوار ہی کی دو تصانیف عورت: ایک نفسیاتی مطالعہ اور عورت مرد کا رشتہ کی اردو میں قلبِ ماہیت کی ہے۔ دونوں ہی تصانیف تانیثی اعتبار سے دنیا بھر میں مقبول ہیں اور دونوں کتب عورت کی مہد سے لحد (Lap to Grave) تک کی زندگی کو نفسیاتی عینک کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ گویا نفسیات کے باب میں کشور ناہید انجان نہیں ہے، بلکہ دنیا کے معروف ماہرینِ نفسیات کی کارگذاریوں سے بخوبی آشنا ہیں۔

کشور ناہید کی نثری نگارشات کی بدولت اُن کی زندگی کا خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے، تاہم، یہ توقیت نما خاکہ نہیں ہوگا، بلکہ ایک ایسا خاکہ ہوگا، جس کو مدِ نظر رکھ کر اُن کی شخصیت مترشّح ہو سکے گی۔ کشور ناہید کا بچپن طرح طرح کے مسائل کا شکار رہا ہے۔ اوّل تو اُن کی پیدائش ہی ایک پدر سری نظام کے زیرِ سایہ ہوئی، اِس پر مستزاد اُن کے والدین کے یہاں پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے۔ گھریلو ماحول جمہور آشنا تو ہوتا نہیں کہ افرادی قوّت کو اہمیت دے، بلکہ پدر سری

اقدار میں چوں کہ اولادِ نرینہ افضل سمجھی جاتی ہے،اِس لیے Right is might کے مصداق، شروع ہی سے کشور ناہید کے ذہن میں نظر انداز کیے جانے اور Neglect کے جذبات اُبھرنے شروع ہو گئے تھے۔اِس کا ذکر بارہا اُن کی آپ بیتیوں میں ہوا ہے۔اُنھوں نے گھر کے کام کاج کا بوجھ ڈالنے پر اپنی والدہ سے شکوہ شکایت کی ہے، بھائیوں کو ترجیح دینے پر چیں بہ جبیں ہوئی ہیں اور یہاں تک کہ گھریلو اقدار کے خلاف عملی مزاحمت کا بیڑا بھی اٹھایا ہے۔ موخّر الذّکر حوالے سے،اُنھوں نے اوّل تو تعلیم حاصل کرنے کو اپنی ترجیح بنایا ہے، پھر ادبی سطح پر فعال ہو کر گھریلو اقدار کی نفی کی ہے اور بعد ازاں اپنی ذات (سیّد) کا خیال رکھے بغیر اپنی مرضی سے شادی (کشمیری النّسل یوسف کامران سے) کی ہے۔ تاہم، اُن کی نگارشات میں اِس بغاوت کے کئی اور اسباب بھی تھے۔ اوپر کی فصل میں اُن کی جنسی سمت بندی (Sexual Orientation) کے حوالے سے بات کی گئی ہے، یہاں اُس تناظر میں ایک مثال نقل کی جا رہی ہے، ملاحظہ کیجیے:

> ایک زمانے میں میری حرکتوں سے تنگ آ کر اماں نے مجھے کسی بی بی کے پاس قرآن ختم کرنے کے لیے بٹھادِیا۔(26)

یہاں بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اُن کے یہاں آزادہ روی کی ایک شدید خواہش آغاز ہی سے موجود تھی۔ وہ رسوم ورواج کی قید میں نہیں رہ سکتی تھیں۔یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے شروع ہی سے لکیر کا فقیر بننے کے رجحان سے پہلو تہی اختیار کرنے کی کوششیں کرنا اپنا مقصود بنا لیا تھا،ایک اور مثال دیکھیے:

> پہلے پہل جب اپنے چھوٹے بھائی کے ختنے، چھپ کر دیکھے اور خاندان کے مردوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ پھر جب میرے سینے پہ کونپلیں سی نمودار ہوئیں اور جب اپنی شلوار پہ خون دیکھا۔ادھر اماں نے تنبیہہ کی ''خبردار اب گھر سے باہر قدم نہیں رکھو گی اور دوپٹہ ڈھنگ سے اوڑھو گی''۔(27)

آزادہ روی کی خواہش، چوں کہ اپنی اصل میں خود مقتدر ہے،اِس لیے کسی اور کا اقتدار تسلیم کرنے سے عاری ہے۔ کشور ناہید کے یہاں ابتدا ہی سے والدہ کے اقتدار کے خلاف مزاحمت ملتی ہے۔اِس مزاحمت میں جہاں فرویڈین نظریے کے مطابق الیکٹرا پیچیدگی (Electra Complex) کے شواہد موجود ہیں، جس میں عورت کے بارے میں یہ فرض کیا گیا ہے، کہ وہ اپنے باپ کو مثالی ہستی/مرد تسلیم کر کے، اپنی ماں کے متعلّق مخاصمانہ رویّہ

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

رکھتی ہے، وہیں، نفسیات کی اصولوں میں کردار تفاعلات کے حوالے سے بھی ایک بنیادی نقطہ ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہو جاتا ہے:

> کردار کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں کسی جسم کا ایک ہی حصّہ حرکت میں آتا ہے جیسے آنکھ کا پھڑکنا وغیرہ۔ یہ جسم کی ایک سادہ ترین حرکت کی مثال ہے۔ کردار کی دوسری قسم میں جسم کی منظّم سرگرمیاں شامل ہیں جو کسی خاص ضرورت کے ماتحت پیدا ہوتی ہیں اور جن کی مدد سے خاص مقصد کی تکمیل ہوتی نظر آتی ہے۔ مثلاً بھوکے کتّے کا کسی ہڈّی کو نکالنے کے زمین کھودنا، یا بچے کا مٹھائی حاصل کرنے کی خاطر الماری کھولنا وغیرہ۔(28)

کشور ناہید کے کرداری تفاعلات اِن پابندیوں کے باعث مؤخرالذّکر حرکت کے ذیل میں آتے ہیں، جو کہ ظاہر کہ ایک زیادہ پیچیدہ اور تہہ دار عمل ہے۔ انسانی نفسیات کا جزوِلا ینفک ہے کہ جس کام سے انسان کو روکا جائے، وہی کام اُن کی نظر میں سب سے زیادہ دلچسپ ہو جاتا ہے اور اُن مخصوص امر کو لے کر کے ایک تجسّس کی فضا قائم ہو جاتی ہے، انسان بالفعل اُس کام کی انجام دہی کو مقصودِ نظر سمجھنے لینے ہے اور بالآخر پہلا موقعہ پانے پر ہی اپنے ٹوہ کی تسکین کا سامان کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے۔ کشور ناہید کو، چوں کہ اوائلِ عمر میں جنسی سمت بندی کے تعیّن کی کوئی سبیل نہیں دکھائی گئی، بلکہ اُن کے اندر موجود اِس فطری رجحان کو دبانے کی خام کوشش کی گئی، لہٰذا جوانی کے ایّام میں یہی پہلو اُن کا مطمعِ نظر بن گیا، ثبوت کے طور پر ایک مثال یہاں نقل کی جا رہی ہے، ملاحظہ کیجیے:

> منع تو ہر کزن سے ملنے سے بھی کیا جاتا تھا۔ مگر کالج میں لڑکیاں عجیب وغریب تعلق اور رشتوں کی داستان سناتی تھیں۔ خط پڑھ پڑھ کر سناتی تھیں۔ ہمیں بڑی تکلیف ہوتی۔ مگر یہ تکلیف اور احساسِ محرومی زیادہ عرصے تک قائم نہ رہا کہ شعر لکھنا شروع کر دِیا تھا اور اب مدیران کے خط آنے شروع ہو گئے تھے۔ ان کے سیدھے سادے خط بھی کوئی نظم/غزل کسی تصویر سے نوازیے۔ تو یہ بھی ہمیں بڑا رومانوی معلوم دیتا۔ جہاں کہیں یہ خط تھوڑی سی بے تکلفی کے دائرے میں آئے کہ "اتنا اچھوتا لکھنے والی خود کتنی اچھی ہوگی"۔ تو یہ فقرے بھگو بھگو دیتے منڈیر پہ کھڑے رہنے اور ایسے ہی کسی الو کے پٹّھے کی بھی نظر خود پہ پڑتی تو یہ بھی، بڑی سنسنی خیز بات معلوم دیتی۔ اس وقت سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لوگ دھوتی کو ایسے لمحوں میں اوپر اٹھا کر جانگیے کی طرح کیوں کر لیتے ہیں۔ پان کھاتے ہوں تو پیک کی آواز نکال کر کیوں تھوکتے ہیں،

سگریٹ پیتے ہوں تو لمبا سوٹا کیوں لگاتے ہیں اور بات بات پر قمیض کے بٹن کھول کر سینے پہ ہاتھ کیوں مارتے ہیں۔(29)

کشور ناہید کا بنیادی مسئلہ یہی تھا کہ دورانِ جنسی سمت بندی اُنھیں جنسی تحریک کی طاقت اور مضمرات کے متعلّق آگاہی فراہم نہیں کی گئی، چوں کہ برِ صغیر کے سماج میں مذہب و معاشرت غالب ہے، اِس لیے اِن موضوعات کو Taboo تصوّر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں Sex Education کا فقدان ہے، نتیجے کے طور پر، غالب امکان یہی ہوتا ہے کہ مرد موضوع ہو کہ عورت، جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کشور ناہید جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوئیں، تاہم، وہ ابتدائی عمر کی یادداشتوں میں جنسی تحریک کی قوّت سے کماحقُّہ آشنا نہ ہونے کے باعث، ہیجان میں مبتلا اور اپنے اندر ہی موجود اِس قوّت کے سرچشمے(30) کی کارفرمائیوں سے نابلد دکھائی دیتی ہیں۔

آزادہ روی کی خواہش میں اُنھوں نے گھر والوں کی رضامندی کے بغیر، اپنی مرضی سے شادی کر لی تھی۔ اِس کے بھی کئی نفسیاتی مضمرات تھے، اوّل تو وہ دقیانوسی کے خلاف ہیں کہ ذات پات کا صدیوں سے رائج نظام، منطق سے عاری ہونے کے باعث، اُن کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ پھر اُن کے خاندان میں طرح طرح کی قدغنیں عائد تھیں، مردوں سے ملنے یا مراسم رکھنے تو در کنار، پردہ داری کی کڑی شرائط عائد تھیں۔ کشور ناہید کے آزادانہ مزاج کے لیے اِن پابندیوں کو ہضم کرنا زہر پینے کے مترادف تھا۔ وہ باغیانہ عزائم رکھتی تھیں، چناں چہ اِن جکڑبندیوں کو من و عن تسلیم کرنے کے بجائے وہ اِن کی بیخ کنی پر اُتر آئیں۔ مشاعروں میں شرکت کی، مدیروں سے روابط استوار کیے، مرد دوست بنائے، ذات سے باہر شادی کی، شادی بھی اپنی مرضی سے کی، وغیرہ۔ تاہم، آزادی کے ساتھ ذمہ داری بھی لازم و ملزوم ہے۔ ذمہ داری، ظاہر ہے کہ ایک مشکل فریضہ ہے، چناں چہ اِس فریضے کی ادائیگی میں کئی تلخ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی ازدواجی زندگی میں آغاز ہی سے ایک Blame Game شروع ہو جاتی ہے، جو کہ اُن کے خاوند یوسف کامران کے مرحوم ہونے کے بعد بھی جاری رہتی ہے:

> سہاگ رات بھی عجب تھی۔ دونوں چور لگ رہے تھے۔ دونوں ڈرے ہوئے تھے کہ آدھے گھنٹے میں فیصلہ کرنے کے حکم پر ہونے والی شادی کے لیے وہ تیار تھا نہ میں۔ نہ اس کے گھر والوں کو خبر تھی اور نہ کسی دوست کو۔ یہ تو سیدزادے سے شادی نہ کرنے کے میرے فیصلے کی سزا، اس کو بھی مل رہی تھی۔ یہ سچ نہیں ہے۔ کسی بھی مسئلے میں سزا، مرد کو نہیں ملتی۔ سزا تو عورت کو ہی

ملتی ہے۔اسے خبر تھی کہ سیدزادے سے یہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔اس دبے دبے ماحول میں یہ نہیں رہنا چاہتی، گھر والوں سے یہ بھاگتی ہے۔رسموں سے یہ بھاگتی ہے۔انقلاب کی باتیں یہ کرتی ہے۔نوکری کرنا چاہتی ہے۔(31)

اِس Blame Game کو اُنھوں نے کئی اسالیب میں مختلف مواقع پر استعمال کیا ہے، ہر جگہ اِس واقعے کی نوعیت میں معمولی تبدیلی آگئی ہے، لیکن بنیادی پہلو یہی ہے کہ وہ اِس ذمّہ دار کے گراں بار احساس تلے خود کو بے دست و پا محسوس کر رہی ہیں، جو کہ اُن کی آزادہ روی کی خواہش ہی کی توسیع کے طور پر اُن کے سامنے موجود تھا:

ابھی بیسواں برس بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ جسے شبِ عروسی کہتے ہیں آگئی، مگر کیسے! رات کے ڈھائی بجے میں سیڑھیوں پر بیٹھی سوچ رہی تھی یوسف کی جیب میں بیس روپے ہیں، خالی کمرہ مجھے کیا دے گا۔یونیورسٹی کا فائنل ایئر ہے نوکری کیسے کروں گی۔میری آنکھیں بھر آئیں۔یوسف کی آنکھ کھل گئی۔"ارے تمھیں کیا ہوا۔چلو سو جاؤ"۔میری آنکھوں نے خواب پہلے دن بھی نہ دیکھے۔اب تک یہی عالم ہے۔(32)

پسند کی شادی کرنے کے باوجود اپنے شوہر کے ساتھ اُن کے تعلّقات کی نوعیت کو قطعاً مثالی نہیں قرار دِیا جا سکتا۔اُنھوں نے یوسف کامران کی ساتھ شادی اپنے معاشرتی خدشات (Societal Insecurities) کے سدِباب کے طور پر کرنا چاہی تھی، مگر شادی کے بعد یہ خدشات مزید بڑھ گئے تھے۔والدہ کے ساتھ اُن کے رشتے پر بحث پہلے بھی ہو چکی ہے، آگے چل کر بھی گفتگو ہو گی، تاہم ایک بات تو طے ہے کہ وہ الیکٹرا پیچیدگی میں مبتلا رہی ہیں، انھیں ایک Father Figure کی تلاش تھی، جو اُن کا سہارا بنتا ہے اور اُن کی تحفیظ کا سامان بہم پہنچاتا۔ ملاحظہ کیجیے:

یوسف میرے ساتھ ہر ڈیبیٹ اور ہر مشاعرے میں جاتا۔ مجھے یوں لگتا میں محفوظ ہاتھوں میں ہوں۔(33)

کشور ناہیدا اپنی باغیانہ فطرت کے باعث ازدواجی زندگی کے جبر کو بھی تسلیم نہ کرنے پر ایک طرح سے مجبور اور لاچار تھیں۔اُن کے مزاج میں خاص قسم کا ضدّی پن ہے، اِس ضدّی پن کو ہٹ دھرمی سے مشابہ سمجھنا ایک بہت بڑا مغالطہ ہو گا، بلکہ اُن کا ضدّی پن ایک اصولی مؤقف کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔اُنھوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ دو بچے ہی پیدا کریں گی، بچہ دانی رفع کروانے کے سلسلے میں آپریشن سے قبل Abortion کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

جب میں نے نظم Farewell to Uterus لکھی اور اپنی گزشتہ زندگی کے ان زمانوں کو یاد کیا، جب یوسف اور میں راتوں کو بہت احتیاط برتا کرتے تھے، پھر بھی ایک دو دفعہ تو ٹمپل روڈ کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ جگہ بھی مبارک احمد کے گھر کے پاس تھی۔ کسی ایک جگہ کا کیا مذکور، وہاں تو ہر دس قدم پر یہی کاروبار ہوتا تھا۔ ہمارا فیصلہ تھا کہ دو بچوں سے زیادہ نہیں چاہئیں۔ شکر ہے ایک مقام پر تو ہمارا مزاج ملتا تھا۔(34)

ازدواجی زندگی اُن کی شخصیت کو محیط کرنے سے قاصر دکھائی دیتی ہے، وہ ایک بے چین روح کے مانند خود کو مسلسل عمل میں منہمک دیکھنا چاہتی ہیں، اُن کی لگن قید و بند سے ماوراہے۔ ادب کے میدان میں بھی وہ ایک ان تھک ادیبہ کے طور پر جانی جاتی ہیں، اِس کا سبب بظاہر اُن کی بے قرار روح کے سوا کچھ نہیں ہے:

اب وقت گزارنا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ مجھے ساری عمر رہا ہے۔ میں بیکار نہیں رہ سکتی۔(35)

اپنی اولاد کو لے کر کے بھی اُن کا مطمعِ نظر کم و بیش وہی رہا ہے، جو کہ کنوار پن سے پیش تر تھا، وہ خود کو کسی بھی قسم کی قید یا حد بندی میں نہیں رکھ پاتیں، اِس میں وہ یکسر لاچار اور Helpless نظر آتی ہے۔ یہ گمان گزرتا ہے کہ جنسی تحریک کی قوّت کی طرح آزادی روی اور باغیانہ پن بھی اُن کے مزاج میں ودیعت کر دیے گئے ہیں۔ وہ چاہ کر بھی خود کو اِس ڈگر سے نہیں ہٹا پاتیں۔ وہ مرکز جو ہونے کے بجائے مرکز گریز ہیں، کسی ایک شے پہ ٹک کر رہنا اُن کی فطرت کے خلاف ہے، چاہے مقابل کوئی بھی ہو، اُن کی اپنی شخصیت ہی Limelight میں رہتی ہے:

مجھے اپنے بیٹے پسند تھے۔ بہت پسند تھے، مگر میں ان کو پالنے کے لیے سب کچھ بھول جاتی۔ نوکری چھوڑ دیتی۔ ملنا جلنا چھوڑ دیتی۔ صرف اور صرف ان کے لیے زندگی گزارتی ......میرے اندر ایسی ماں نہیں تھی۔(36)

اُن کے نرگسیت کے اِسی عالم نے اُنھیں زندگی میں سمجھوتہ (Compromise) نہیں کرنے دِیا۔ بچپن ہو کہ ایّامِ نوجوانی، ازدواجی زندگی ہو کہ ملازمت کا دورانیہ، ہر جگہ خود ستائی کا جذبہ اُن کے گرد ہالہ کیے رہتا ہے:

یوسف نے میری بہت باتیں مانیں۔ میں نے دوسرے بچے کے بعد کہا کہ "میں اور بچے پیدا نہیں کروں گی"۔ میں نے کہا میں نوکری جاری رکھوں گی، شاعری نہیں چھوڑوں گی، عورتیں اور مرد، دونوں میرے دوست ہیں اور رہیں گے۔ اس نے میری پہلی بات مان لی، دوسری بات سے ہر چوتھے دن منکر ہو جاتا تھا۔(37)

اگر اُن کی 24 سالہ ازدواجی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے شوہر نے مصلحت آمیزی کا نسبتاً زیادہ ثبوت دِیا ہے۔ کشور ناہید نے بھی یوسف کامران کا ممکنہ حد تک ساتھ دِیا ہے، تاہم، کشور ناہید، بنیادی طور پر، ایک Self-centered شخصیت ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے نزدیک، اُن کی ذات سے اہم کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ اِسی بات نے اُن کی زندگی میں تلخیوں کو ہمیشہ ایک چور دروازہ مہیّا کیا ہے، ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> وہ مجھے بہت چاہتا تھا۔ اس لیے کبھی چھوڑنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ وہ مجھے برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے رنجشوں نے تہہ بہ تہہ زندگی رقم کی۔(38)

اِسی Self-centered شخصیت کے طفیل اُن کی اپنے شوہر اور بچوں کے علاوہ اپنے بہن، بھائیوں سے بھی نہ بن سکی۔ اِن Troublesome Affairs کی سوائے نرگسیت کے کوئی اور تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ کشور ناہید کی شخصیت میں ہمدردی کا عنصر اُن کی شخصیت کا محض پرسونا (Persona) ہے، جس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ حقیقت میں، وہ من مانی کرتی ہیں، اپنے ذات پر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دیتیں، اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی دھن میں مگن دکھائی دیتی ہیں۔ شاید اِسی لیے اُن کے یہاں نظریاتی سطح پر تمام درد دِل وقف ہونے کے باوجود نجی سطح پر اِسی دلی درد کا فقدان نظر آتا ہے، اِس کی مثال میں ایک اقتباس یہاں نقل کیا جا رہا ہے، ملاحظہ کیجیے:

> ''ہم ایک لالٹین میز پر رکھ کر پڑھنے والے اور ایک چھت کے تلے پلنے والے بہن بھائی ضرور تھے۔ مگر ایک دوسرے پہ محبّت نچھاور کرنے اور جان دینے والے بہن بھائی صرف فلموں میں دیکھے تھے۔ مسابقت کا جذبہ، حسد کی سرحدوں سے جا ملتا تھا۔ دوسرے کی خوبی یا کامیابی کو شکایت بنا کر پیش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا، ہمیں اپنے وجود کا اعتبار دلاتا تھا۔''(39)

اپنے والدہ سے اُن کے رشتے کی نوعیت بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ جمیلہ خاتون (والدہ کشور ناہید) ایک روایتی خاتون تھیں، اُن کی نسل ذات پات کے نظام پر یقین رکھتی تھی، لڑکیوں کے گھر سے باہر جانے پر معترض تھی، بے پردگی کی سخت مخالف تھی، وغیرہ۔ کشور ناہید نے جب اپنی پسند کی شادی کا فیصلہ کیا، تو اُن کی والدہ کا چیں بہ جبیں ہونا فطری تھا:

> ''اے ہے خود شادی کر رہی ہے۔ شرع منع کرتی ہے۔ میں دودھ نہیں بخشوں گی۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھوں گی''۔ اماں نے کئی سال میرا چہرہ نہیں دیکھا اور جب دیکھا تو کلیجے سے لگا کر پیار

نہیں کیا۔"(40)

خاندانی وقار پر سمجھوتہ کرنا، گویا خود کو عاق کرنے کے مترادف تھا۔ یہ ایسی چپقلش تھی، جس کا کوئی ممکنہ انجام نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ گھر والے ساری عمر اپنے معاشرتی پس منظر میں یہی سمجھتے رہے کہ کشور ناہید نے اُن کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہے اور سروں میں خاک ڈالی ہے، ایسے میں اُن کی تقصیر کو درگزر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ چھوٹے بھائی نے اُن کی مخبریاں کی تھیں، نتیجے کے طور پر، گھر والے اُن کی زبردستی کسی سیّد زادے کے ساتھ شادی کر رہے تھے، جس کے باعث اُنھوں نے یوسف کامران سے پسند کی شادی کرنے کا انتہائی اقدام اُٹھایا تھا، تاکہ پڑھائی بھی جاری رکھ سکیں، ادبی دنیا میں بھی فعال رہیں اور نوکری بھی کر سکیں، بجائے اِس کے کہ کسی سیّد زادی کے حرم کی چار دیواری میں قید رہ کر، گھٹ گھٹ کر مر جائیں۔ افرادِ خانہ اور کشور ناہید کے نظریات میں چوں کہ بعد المشرقین تھا، اِس لیے، یہ مخالفت اُن کی بیوگی کے عرصے تک قائم رہی، اِس پر مستزاد یہ کہ اُنھوں نے عدّت کا خیال رکھے بغیر اپنے پیشہ ورانہ ذمہ داریاں بھی جاری رکھیں، جنھوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا:

"اے ہے شوہر کے مرنے کے پندرہ دن بعد وہ دفتر جا رہی ہے۔ عدّت بھی پوری نہیں کر رہی۔
توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے"۔(41)

اُن کے خاندان اور اُن کی ذاتی سوچ میں بُعد نے اُن کی راہیں تو جدا کر ہی دی تھیں، یوسف کامران کی وفات کے بعد ایک غیر معمولی قسم کے احساسِ تنہائی نے اُنھیں جکڑ لیا ہے۔ اطراف و جوانب سے بیگانگیت کا جذبہ اُن کو تخلیقات کا مطمعِ نظر بن چکا ہے۔ چناں چہ، شکوہ آمیزی کا عنصر بھی اُن کی حالیہ تحاریر میں نمایاں نظر آتا ہے:

"دل کی بات، کوئی خواب، کسی کا اچھا لگنا، یہ ہمارے خاندان کی لغت میں نہیں تھا۔ شکر ہے کہ اب تک مہینے میں ایک دوسرے کا حال پوچھنے کی روایت برقرار ہے اور بس۔ میں 42 سال کی تھی جب یوسف کی وفات ہوئی۔ میرے بچے جوان تھے۔ میرے سارے بہن بھائی اور اماں زندہ تھیں مگر کسی نے جھوٹے منہ یہ نہیں پوچھا کہ تم اس عمر میں بیوہ ہوئی ہو، شادی کر لو۔ تنہا زندگی کیسے گزارو گی۔ اولاد کو باپ کی تربیت تھی تو وہ بھی اس کی طرح ٹوہ میں لگے رہتے کہ امی کا کہیں چکر تو نہیں چل رہا۔ کہنے کو سارے ادیب دوست اور خواتین بھی مجھے ہنستا دیکھ کر، آپس میں کھسر پھسر کرتے کہ دیکھو بیوہ ہو کر بھی ہنس رہی ہے۔"(42)

اِس ساری صورتِ حال میں اُن کی شخصیت پر پژمردگی اور افسردگی کی ملی جلی کیفیات کا غلبہ نظر آتا ہے، وہ

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E): 1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

Disillusioned نظر آتی ہیں۔ تخلیقی ناقدری کا احساس قوی سے قوی تر ہوتا جا رہا ہے:

> ''میں ہنڈیا پکاتے، بچوں کو پڑھاتے، سلاتے اور دفتر کی فائلیں دیکھتے ہوئے شعر لکھتی جاتی، نہ کسی کو دکھاتی نہ بتاتی کہ جب کبھی ابتدا میں خوشی خوشی تازہ تخلیق دکھائی، جواب میں ایسا کسیلا ذائقہ ملا کہ یہ شوق بھی نہ رہا کہ کسی کو تازہ تحریر دکھائی جائے۔''(43)

کشور ناہید نے اپنی آزادہ روی کی انگلی پکڑ کر زندگی کے سارے بکھیڑوں سے اُلجھنے کی ٹھان تو لی تھی، مگر درحقیقت یہ آزادی کی تڑپ بیرونی دنیا سے نجات پانے کی نہیں، بلکہ اپنے حصارِ ذات سے چھٹکارا پانے کی شدید خواہش کے نتیجے میں اُنھیں آمادۂ جستجو کر رہی تھی، اُنھیں خود بھی اِس بات کا احساس ہے:

> ''خود سے آزاد ہونے کے لیے مجھے بڑے جتن کرنے پڑے۔''(44)

ابنارمیلیٹیز(Abnormalities) سبھی انسانوں کا مقدّر ہیں۔ کامل یا Perfect ہونا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔ تاہم، فرد Perfection حاصل کرنے کی تگ ودو میں Strive کرنے سے باز بھی نہیں آ سکتا۔ اِس سنگلاخ رستے پر اُسے طرح طرح کی تحدّیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر یہ ایک ایسا رستہ ہے جس پر انسان کا ہزیمت اُٹھانا طے ہے۔ Normality کی Notion شاید انسان کا سب سے بڑا واہمہ ہے، بقول شہزاد احمد:

> ''نارمل انسان ایک ایسی شخصیت ہے، کس سے کبھی آپ کی ملاقات نہیں ہو سکتی، کیونکہ جسمانی طور پر اس کا کوئی وجود نہیں۔ نہ آپ ہی نارمل انسان ہیں، نہ آپ آج تک کسی نارمل شخص سے ملے ہیں، نہ آئندہ اس کو کوئی امکان ہے۔''(45)

## حوالہ جات و حواشی


1. Freud, Sigmund, The Ego & The Id. (London: W. W. Norton & Company, 1960), pg. 5-6.

2۔ شہزاد احمد، فرائیڈ کی نفسیات — دو دور (بشمول مذہب، تہذیب، موت) (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2005)، ص172۔

3۔ ایضاً، ص187۔

4۔ ایضاً، ص198۔

5۔ سلیم اختر، نفسیاتی تنقید (لاہور: مجلسِ ترقّیِ ادب، 2018)، ص53۔

6۔ فرائیڈ کی نفسیات — دو دور (بشمول مذہب، تہذیب، موت)، ص165۔

7. The Ego & The Id., pg. 39-40.

8۔ قریشی، ایم۔اے، فرائیڈ اور لاشعور (لاہور: مجلسِ ترقّیِ ادب، 2007)، ص82۔

9۔ کشور ناہید، بُری عورت کی کتھا (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2008)، ص30۔

10۔ ایضاً، بُری عورت کی دوسری کتھا (ایضاً، 2021)، ص18۔

11. Adler, Alfred, *The Science of Living* (London: George Allen & Unwin Ltd., 1929), pg. 32.

12۔ شہزاد احمد، الفرڈ ایڈلر — انفرادی نفسیات اور احساسِ کمتری (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2019)، ص27۔

*13. The Science of Living,* pg. 60.

14۔ الفرڈ ایڈلر — انفرادی نفسیات اور احساسِ کمتری، ص156۔

*15. The Science of Living,* pg. 65.

16۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی دبستان (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2016)، ص165۔

17۔ بُری عورت کی کتھا، ص101۔

18۔ کشور ناہید، بُری عورت کے خطوط - نوزائیدہ بیٹی کے نام (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2013)، ص27۔

19۔ ایضاً، ص47۔

20۔ شہزاد احمد، ژونگ اور مخفی علوم (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2010)، ص1-60۔

21. Jung, Carl Gustav, *The Undiscovered Self* (London: Routledge Classics, 1957), pg. 33.

22۔ سلیم اختر، تین بڑے نفسیات دان(لاہور: مکتبۂ شاہکار، 1977)، ص3-42۔

23۔ بُری عورت کی کتھا، ص102۔

24۔ بُری عورت کے خطوط- نوزائیدہ بیٹی کے نام، ص135۔

25۔ ایضاً، ص171۔

26۔ بُری عورت کی کتھا، ص30۔

27۔ بُری عورت کی دوسری کتھا، ص8۔

28۔ عبدالحہ علوی، پروفیسر، اصولِ نفسیات (جلداوّل)(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1987)، ص11۔

29۔ بُری عورت کی کتھا، ص53۔

30۔ شہزاداحمد، تحلیلِ نفسی— تین مختلف نفسیاتی اندازے(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2012)، ص124۔

31۔ کشور ناہید، کشور ناہید کی نوٹ بک(لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2015)، ص9۔

32۔ ایضاً، ص9۔

33۔ شناسائیاں، رسوائیاں، ص116۔

34۔ کشور ناہید کی نوٹ بک، ص22۔

35۔ بُری عورت کی کتھا، ص43۔

36۔ بُری عورت کے خطوط- نوزائیدہ بیٹی کے نام، ص12۔

37۔ شناسائیاں، رسوائیاں، ص118۔

38۔ ایضاً، ص119۔

39۔ بُری عورت کی کتھا، ص44۔

40۔ ایضاً، ص33۔

41۔ ایضاً۔

42۔ بُری عورت کی دوسری کتھا، ص174۔

43۔ شناسائیاں، رسوائیاں، ص118۔

44۔ بُری عورت کی کتھا، ص104۔

45۔ شہزاد احمد، ذہنِ انسانی — حدود اور امکانات (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2018)، ص192۔